ساتواں پارہ

مولانا محمد اسلم شیخوپوری

چھٹے پارہ کی آخری آیت میں بتایا گیا تھا جو حقیقی نصاریٰ ہیں وہ اپنے دلوں میں مسلمانوں کے لیے قدرے نرم گوشہ رکھتے ہیں، اب ساتویں پارہ کے شروع میں بھی بعض نصاریٰ کا ہی کا ذکر ہے جو قرآن سن کر اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ پاتے اور بے اختیار ان کی آنکھیں چھلکنے لگتی ہیں، (۸۳-۸۵) یہ آیات حبشہ کے ان نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں جن کے ملک میں مسلمان ہجرت کر کے گئے تھے، انہوں نے جب مسلمانوں کی زبان سے قرآن سنا تو روتے روتے ان کی ہچکیاں بندھ گئیں اور ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں کی رم جھم سے تر ہو گئیں۔ اصل میں اللہ کے کلام میں تاثیر ہی ایسی ہے کہ اگر ایسے دل اسے سنیں جو بغض اور کینہ سے خالی اور خوف وخشیت سے معمور ہوں تو جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آنکھوں سے آنسو چھلک ہی پڑتے ہیں۔ حقیقی نصاریٰ کے کلام اللہ سے متاثر ہونے اور رونے دھونے کا حال بتانے کے بعد شرعی مسائل ذکر کیے گئے ہیں کیونکہ سورۂ مائدہ مدنی سورت ہے، جیسے مکّی سورتوں میں عام طور پر عقائد سے بحث ہوتی ہے یونہی مدنی سورتوں میں کہیں تفصیل کے ساتھ اور کہیں اختصار کے ساتھ تشریعی امور سے بحث ہوتی ہے، یہاں جو مسائل واحکام ذکر کیے گئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے، اس لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جن پاکیزہ چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے تم نہ تو انہیں حرام سمجھو اور نہ ہی ان کے استعمال سے احتراز کرو، (۸۷-۸۸) اصل میں اسلام اعتدال کا دین ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط، نہ غلو اور نہ ہی کمی کوتاہی، اس لئے اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ پاکیزہ چیزوں کے استعمال سے اجتناب کو تقویٰ اور کمال کا سبب سمجھا جائے اور نہ ہی اس بات کی

اجازت دیتاہے کہ حرام اورحلال کے فرق ہی کو اٹھادیا جائے اور بے دریغ ایسی چیزوں کااستعمال شروع کردیا جائے جنہیں اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔

(۲) لغوقسم پرکوئی دنیوی مواخذہ نہیں ......(۸۹) لغوقسم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کام کے ہونے یانہ ہونے کے بارے میں اپنے خیال کے مطابق سچی قسم کھائے حالانکہ وہ کام اس کے گمان کے خلاف تھا، البتہ ایسی قسموں پرکفارہ کی صورت میں مواخذہ ہوگا جو مستقبل میں کسی کام کے کرنے یانہ کرنے کے بارے میں کھائی جائیں اور پھرانہیں پورانہ کیا جائے۔

(۳) شراب، جوا، بُت اور پانسے قطعی حرام اورشیطانی عمل ہیں ان کے ذریعے شیطان مومنوں کے دِلوں میں بغض وعداوت کے بیج بوتا ہے اورانہیں اللہ کے ذکراورنماز سے روک دیتاہے۔(۹۰-۹۲)

(۴) احرام کی حالت میں خشکی کا شکار جائزنہیں البتہ سمندر اوردریا میں رہنے والے جانوروں کا شکارحالتِ احرام میں بھی جائز ہے۔(۹۴-۹۶)

(۵) احرام کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے بیت الحرام یعنی کعبہ اورشہرِ حرام کا بھی تذکرہ کیاہے، یہ کعبہ کی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اوراس کے گردوپیش کے علاقے کوحرم قراردیاہے، اس کی حرمت اورامن کا اندازہ حضرت عمررضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ''اگرمیں اپنے والدخطاب کے قاتل کوبھی حرم میں دیکھ لوں تواس وقت تک اس پرہاتھ نہیں اُٹھاؤں گا جب تک کہ وہ حرم کی حدود سے باہرنہ نکل جائے۔''

(۶) زمانہ جاہلیت میں مشرکین نے بہت سارے جانور بزعمِ خویش حرام قراردے رکھے تھے اوران کے لیے مخصوص نام بھی تجویز کررکھے تھے، مثال کے طورپر بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اورحام ......آیت نمبر۱۰۳ میں واضح طورپر بتادیا گیاہے کہ یہ مشرکین کا جھوٹ اورافتراء ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی بھی جانورکوحرام قرارنہیں دیا۔

(۷) جب کسی انسان کو موت کی آہٹ محسوس ہونے لگے تو اسے چاہیے کہ وہ قابلِ وصیت امور کے بارے میں وصیت کر جائے، اس وصیت پر دو قابلِ اعتماد شخصوں کو گواہ بنالیا جائے تاکہ کل کلاں اگر اختلاف ہو جائے تو ان کی گواہی کی روشنی میں فیصلہ کیا جا سکے۔ (۱۰۶-۱۰۸)

(۸) حلال و حرام کے ان مسائل کے بعد قیامت کے دن کی منظر کشی کی گئی ہے، جب تمام رسولوں کو جمع کر کے ان سے سوال کیا جائے گا کہ جب تم نے میرا پیغام میرے بندوں تک پہنچایا تو تمہیں کیا جواب دیا گیا۔ انبیاء کے ساتھ سوال و جواب کے تناظر میں حضرت مسیح علیہ السلام کا خاص طور پر تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سیدنا مسیح علیہ السلام کو اپنے احسانات یاد دلائے گا، ان احسانات میں ''مائدہ'' والا قصہ بھی مذکور ہے کہ جب حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ آپ اللہ سے درخواست کریں کہ وہ ہمارے لیے آسمان سے ''مائدہ'' نازل فرمائے یعنی ایسا دسترخوان جس میں کھانے پینے کی مختلف آسمانی نعمتیں سجی ہوئی ہوں، اسی قصّہ کے حوالے سے اس سورت کا نام ''مائدہ'' رکھا گیا ہے۔ اپنے چند احسانات گنوانے کے بعد اللہ تعالیٰ سوال کرے گا کہ ''اے عیسیٰ، مریم کے بیٹے! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود ٹھہراؤ'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارگاہِ جلال میں عرض کریں گے ''تو پاک ہے، میرے لئے یہ مناسب نہیں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق ہی نہیں تھا'' پھر عرض کریں گے کہ ''میں نے تو انہیں ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا تھا، اگر انہوں نے میرے حکم کی نافرمانی کی ہے تو آپ کو اختیار ہے چاہیں تو انہیں سزا دیں اور چاہیں تو معاف کر دیں''...... (۱۱۶-۱۱۸) قیامت کے دن کی منظر کشی اور اللہ کی ہمہ گیر سلطنت کے تذکرہ پر سورۂ مائدہ اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔

سورۃ الانعام

سورۂ مائدہ کے بعد ساتویں پارہ کے دوسرے پاؤ سے سورۂ انعام کا آغاز ہوتا ہے، اس سورت میں ایک سو پینسٹھ آیات اور بیس رکوع ہیں۔ یہ مکّی سورت ہے، مکّی سورتوں میں عام طور پر تین

بنیادی عقائد سے بحث کی جاتی ہے یعنی توحید، رسالت اور آخرت۔ اس سورت کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مشرکین کے غلط عقائد کی تردید کے لئے تقریر اور تلقین دونوں اسلوب اختیار کئے گئے ہیں، اسلوبِ تقریر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور قدرت وعظمت کے دلائل کو ایسے مسلّم اصولوں کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے کہ ان کا انکار ایسا انسان کر ہی نہیں سکتا جسے اللہ تعالیٰ نے قلبِ سلیم اور عقلِ صحیح سے نوازا ہو، آپ اس سورت کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کو وقفے وقفے سے ایسی آیات ملیں گی جن میں ارض وسما میں اللہ کے موجود ہونے، بندوں پر اس کے غلبے اور ظاہر و باطن کا عالم ہونے کا یوں ذکر کیا گیا ہے کہ گویا ان دَعاوی کو مشرکین بھی تسلیم کرتے ہیں اور یہ دعوے ایسے ہرگز نہیں کہ ان کے ثبوت کے لیے دلائل دیئے جائیں یا زیادہ مغز ماری کی جائے بلکہ جب صاحبِ نظر انسان کائنات پر ایک نظر ڈالتا ہے تو وہ اللہ کے وجود، اس کی عظمت و کبریائی اور غلبے اور قدرت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہتا۔ درج ذیل آیات میں اسی اسلوب کی جھلک دکھائی دیتی ہے ''اور آسمان اور زمین میں وہی ایک اللہ ہے تمہاری پوشیدہ اور ظاہری باتیں سب جانتا ہے اور تم جو عمل کرتے ہو سب سے واقف ہے۔'' (۳) ''اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگہبان مقرر کیے رکھتا ہے'' (۶۱) ''اور وہی تو ہے جو رات کو نیند کی حالت میں تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس سے خبر رکھتا ہے۔'' (۶۰) اسلوبِ یقین کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول امّی کو ایسے دلائل سکھاتا ہے جن کا منکرین کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا اور وہ شرمندگی اور سرافگندگی پر مجبور ہو جاتے ہیں، یہ اسلوب عام طور پر سوال جواب کی شکل میں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آیت ۱۲ میں ہے: ''آپ ان سے سوال کیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے یہ کس کا ہے؟'' ظاہر ہے کہ دل سے تو مشرکین بھی تسلیم کرتے تھے کہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے لیکن زبان سے اعتراف کرنے میں انہیں حجاب ہوتا تھا، اس لئے فرمایا گیا کہ آپ خود ہی جواب دیجئے کہ ''سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔'' (۱۲) اور آیت ۱۹ میں ہے ''ان سے پوچھو کہ سب سے بڑھ کر کس کی شہادت

ہے کہہ دیجیے کہ اللہ ہی میرے درمیان اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔“(۱۹) تقریر اور تلقین کے یہ دونوں اسلوب سورۂ انعام میں پہلو بہ پہلو چلتے ہیں۔

اس سورت کی ابتداء اللہ کی حمد وثنا اور عظمت اور توحید سے ہوتی ہے، توحید کے ساتھ رسالت کا ذکر بھی ضروری ہے۔ چنانچہ بتایا گیا ہے کہ منکرین کی عادت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی دلائل وبراہین ان کے سامنے پیش کرتے ہیں یہ ان سے اعراض کرتے ہیں اور جواب میں کٹ حجتی کے طور پر کہتے ہیں کہ اس نبی پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ توحید ورسالت کے بعد بعث وجزا کا ذکر ہے، فرمایا گیا کہ ”تمہیں اللہ قیامت کے دن ضرور جمع کرے گا، اس میں کوئی شک نہیں“ (۱۲) یہ تینوں مضامین سورۂ انعام میں ادل بدل کر تلقین اور تقریر کے اسلوب تک جا پہنچتی ہے، اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ حضرت خلیل علیہ السلام شرک میں ڈوبی ہوئی دنیا میں روشن مینار تھے، انہوں نے جب سورج، چاند، ستاروں اور ہاتھوں سے بنائے گئے اصنام کو معبود تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ربِّ واحد کی کبریائی پر ایمان کا اعلان کیا تو انہیں سب سے پہلے اپنے والد ہی کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا مگر انہوں نے اس مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کی اور دعوتِ توحید کا سلسلہ جاری رکھا، (۷۴-۸۱) یہی دعوت دوسرے انبیاء نے بھی اپنے اپنے زمانے میں دی۔ سورۂ انعام میں ان انبیاء میں سے اٹھارہ کے نام مذکور ہیں، (۸۴-۸۷) ان سب کو وحی سے مشرف کیا گیا، ان کے علاوہ بھی بے شمار انبیاء دنیا میں آئے ہیں لیکن ان کے نام قرآن میں مذکور نہیں۔ وحی اور نبوت کے بعد دوبارہ ایسے دلائل ذکر کیے گئے ہیں جو خالق کے وجود، اس کے علم، قدرت اور حکمت کے کمال پر دلالت کرتے ہیں، ان دلائل سے اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ مقصودِ اصلی اللہ کی ذات وصفات اور اس کے افعال کی معرفت ہے لیکن مکہ کے کفار ان دلائل میں تو غور وفکر نہیں کرتے تھے البتہ مختلف قسم کے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے کہ اگر ہمیں فلاں معجزہ دکھا دیا جائے تو ہم ایمان قبول کرلیں گے حالانکہ ان کی یہ باتیں زبانی جمع خرچ اور دفع الوقتی کے سوا کچھ نہ تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صاحبِ طلب معجزہ کا مطالبہ نہیں

کرتا وہ جدھر نظر اٹھاتا ہے اسے اللہ کے وجود اور قدرت کی نشانیاں واضح طور پر دکھائی دیتی ہیں، اس کائنات پر کافر بھی نظر ڈالتا ہے اور مومن بھی نظر ڈالتا ہے لیکن دونوں کے نظر ڈالنے میں زمین آسمان کا فرق ہے، کافر دیکھتا ہے تو اسے پوری کائنات مادی اسباب میں جکڑی ہوئی دکھائی دیتی ہے لیکن جب ایک مسلمان دیکھتا ہے تو اسے ہر چیز اور مرحلے میں قدرت کی کارفرمائی نظر آتی ہے، مثال کے طور پر جب وہ پھل کو دیکھتا ہے کہ رنگ اور خوشبو، چھوٹا اور بڑا، کھٹا اور میٹھا ہونے کے اعتبار سے کیسے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا ہے ابتداء میں کوئی کڑوا اور نمکین ہوتا ہے اور کوئی کھٹا یا پھیکا لیکن جوں جوں وہ پکتا جاتا ہے اس میں مٹھاس اور لذت آتی جاتی ہے جب ایک مومن ایمانی نظر سے دیکھتا اور غور و تدبّر کرتا ہے تو بے ساختہ پکار اٹھتا ہے ''سبحان اللہ'' اسی لیے یہاں زمین سے اگنے والی مختلف چیزوں اور پھلوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ''یہ چیزیں جب پھلتی ہیں تو ان کے پھلوں پر اور جب پکتی ہیں تو ان کے پکنے پر نظر کرو، ان میں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں، اللہ کی قدرت کی بہت ساری نشانیاں ہیں۔''(۹۹)

☆......☆......☆

پیشکش: ابوزبیر

[www_alkalam_pk@yahoo.com]